خواجہ غلام السیّدین اور کشمیر

ڈاکٹر محی الدین زور کشمیری

تلخیص: کشمیر ایک ایسا خطہ ہے جہاں کئی دانشوروں، مذہبی رہنماؤں اور مفکروں نے کئی اعتبار سے علمی، مذہبی اور تعلیمی خدمات انجام دی ہیں۔ اُن میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی جنم بھومی اگر چہ کشمیر نہیں بھی ہے؛ لیکن اُنھوں نے تعلیمی میدان میں ایسے کار ہائے نمایاں انجام دیئے ہیں کہ تاریخ اُنھیں کبھی فراموش نہیں کرسکتی ہے۔ اُن میں ایک نام خواجہ غلام السیدین کا ہے۔ اُنھوں نے کشمیر میں تعلیمی نظام کو بہتر اور موثر بنانے کی بھر پور کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے کشمیر میں تعلیمی مسائل کو بین الاقوامی سطح پر حل کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

کلیدی الفاظ: کشمیر، تعلیمی نظام، خوجہ غلام السیدین، عیسائی مشنری، سیدین کمیٹی رپورٹ

جب ہم کشمیر کی تاریخ پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہاں کا تعلیمی منظر نامہ نہایت ہی درخشاں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ایک طرف ہمارے پاس شاردا پیٹھ جیسی عالمی یونیورسٹی تھی اور دوسری طرف کلہن کی راج ترنگنی جیسی شاہکار کتاب کے ساتھ ساتھ سنسکرت کا بیش بہا لٹریچر جسے ہم نے ہی تخلیق کیا ہے یہاں کے فارسی ادب کے ذخیرے کو دیکھ کر ہی ''ایران صغیر'' کا لقب ملا۔ اسی طرح سلطان زین العابدین بڈ شاہ (1354 - 1371) کے زمانے میں نوشہرہ سرینگر میں بھی ایک یونیورسٹی قائم تھی۔ پھر کشمیر کے حالات بگڑ گئے جس سے یہاں کی معیشت کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی تباہ ہوگئی۔ اس کے بعد مارچ 1846ء میں گلاب سنگھ نے

امرت سر معاہدے کے تحت کشمیر کو انگریزوں سے خرید لیا اور ان کے وارثین میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے 1883ء میں یہاں باضابطہ طور پر محکمہ تعلیم قائم کر لیا۔ جموں وکشمیر سے باہر ہندوستان اور یورپ سے مختلف ماہرین یہاں کے مختلف شعبوں میں نئی جان پیدا کرنے کے لیے بلائے گئے، اسطرح 1916ء میں پہلی بار یہاں تعلیم کے فروغ کے لیے ''شارپ کمیٹی'' بنائی گی۔ 1932ء میں ''گلانسی کمیٹی'' اور 1933ء میں ''پنجاب یونیورسٹی'' انکوری رپورٹ'' درج کی گئی۔ اس کے بعد 1939ء میں ''سیدین کمیٹی'' تشکیل دی گئی۔ یہ سلسلہ آج تک جارہی ہے۔ لیکن کشمیر میں جدید تعلیم کی بات اس وقت تک ادھوری تسلیم کی جائے گی، جب تک عیسائی مشنریوں کا اعتراف نہ کیا جائے۔ حالانکہ ان سے پہلے یہاں کے مکتب مسجدوں سے منسلک تھے اور پاٹھ شالائیں مندروں سے 1854ء میں کرنل مارٹن، رابورٹ کلارک اور دو ہندوستانی عیسائی یہاں آکر کرسچن مشنری سوسائٹی لندن کے تحت اسکول قائم کرتے ہیں۔ یہاں کے مکتبوں پاٹ شالاؤں اور سرکاری اسکولوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ پھر بھی مہاراجہ رنبیر سنگھ نے جموں اور کشمیر میں دو جدید طرز کے اسکول قائم کیے۔ سرینگر میں 1891ء میں ٹنڈل بسکو اسکول کھولا گیا۔ 1905ء میں جموں میں پرنس ویلز کالج قائم کیا گیا جب کہ سرینگر میں اینی بیسنٹ نے ہندو کالج قائم کیا۔ جسے 1911ء میں سرکار نے سری پرتاپ کالج نام دے دیا۔ 1913ء میں امر سنگھ کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔

یہ تو تھی ہماری تعلیمی صورت حال، جس کی وجہ سے خواجہ غلام السیدین کو یہاں آنا پڑا۔ دراصل مہاراجہ ہری سنگھ تعلیم کے معاملے میں کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے دور حکومت میں یہاں پرائمری تعلیم کو لازمی قرار دیا تھا۔ اس لیے چھ سے چودہ سال تک کے بچوں کے لیے کئی وظیفے جاری کئے۔ اس بیچ میں جب ''وردایجوکیشن کمیٹی'' نے اپنی رپوسٹ جاری کی تو مہاراجہ کی بھی آنکھ پھڑکنے لگی اور انھوں نے سوچا کیوں نہ کمیٹی کے نکات کو یہاں بھی عملایا جائے۔ ہری سنگھ کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں۔

"Hari Sing modernized the State and
Carried out a large number of reforms.

It was his time that the popular elements began to be associated with the Government"

خواجہ غلام السیدین کا تعلق اُردو کے معروف ادیب اور نقاد خواجہ الطاف حسین حالؔی کے خانوادے سے تھا۔ ان کی پیدائش 14 اکتوبر 1904ء کو پانی پت میں ہوئی۔ وہ خواجہ غلام الثقلین کے صاحبزادے تھے اور صالحہ عابد حسین کے برادر۔

3 ستمبر 1915ء میں غلام السیدین کے والد کے انتقال کے بعد ان کی پرورش ان کے چاچا غلام الحسنین نے کی۔ ابتدائی تعلیم حالی مسلم اسکول پانی پت سے حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ جہاں انہیں علمی و ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کا خوب موقع ہاتھ آیا، یہاں تک کہ انھوں نے علی گڑھ میگزین کی ادارت بھی سنبھالی۔ انہیں علی گڑھ میں تعلیم کے دوارن ہی اسکالرشپ ملا جس کے لیے انہیں مزید تعلیم کے لیے انگلستان جانا پڑا۔ جہاں انہوں نے ایجوکیشن میں ڈپلوما کرنے کے بعد ایم ایڈ کا کورس بھی کیا۔ اچھے مقرر ہونے کی وجہ سے انگلستان کی لیڈز یونیورسٹی میں ان کے ہندوستانی اور انگلستانی احباب کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ جن میں پنڈت جواہر لعل نہرو بھی شامل تھے۔

دسمبر 1925ء میں اپنے وطن واپس لوٹنے کے بعد وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ٹریننگ کالج میں ریڈر تعینات ہوئے اور اس کے بعد اسی کالج میں پرنسپل بھی مقرر ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں جنگ آزادی کی لہر بڑی تیز تھی اور سیدین بھی اس میں دلچسپی لے رہے تھے۔ اس دوران انڈین نیشنل کانگریس نے ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں ''بنیادی تعلیمی بورڈ'' قائم کیا، جس کے ممبر سیّدین بھی مقرر کیے گئے۔ دوسری طرف 1938ء میں کانگریس نے اپنی اندرونی خودمختاری کے تحت صوبائی حکومتیں قائم کر لیں، جس سے ذاکر حسین کے خیالات کو عملانے کا خوب موقع آ گیا۔

1938ء میں جموں و کشمیر کے وزیر اعظم سر گوپالا سوامی آئنگر تھے۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ یہاں جدید تعلیم کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ چونکہ ڈاکٹر ذاکر حسین کو ملکی سطح پر تعلیم کے

میدان میں خوب شہرت حاصل ہوئی تھی اور وہ اُس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ سے وابستہ تھے۔ جموں وکشمیر کے وزیراعظم نے ذاکر حسین کو یہاں کے ناظم تعلیمات کی ذمہ داری قبول کرنے کی پیش کش کی لیکن ذاکر حسین نے ڈاکٹر عابد حسین سے مشورے کے بعد غلام سیدین کا نام اپنے بدلے میں تجویز کیا۔ اس طرح وزیراعظم کے بلانے پر سیدین کشمیر تشریف لائے۔ ان کی یہاں پہلی ملاقات اُس وقت کے وزیر تعلیم صاحبزادہ سر عبدالصمد سے ہوئی، جن سے ان کی کچھ واقفیت پہلے سے ہی تھی۔ اس کے بعد ان کی ملاقات وزیراعظم سوامی آئنگر سے کروائی گئی اور بہت سارے تکنیکی مسائل پر بات چیت ہوئی۔ پھر انہوں نے علی گڑھ واپس جا کر باضابطہ طور پر اپنا ڈیپوٹیشن دو سال کے لیے بنوایا، تو اسطرح جون 1938ء میں خواجہ غلام السیدین نے جموں وکشمیر کے ڈائریکٹر ایجوکیشن کے عہدے کا چارج سنبھال لیا۔ اس واقعے کے بارے میں سیدین نے اپنی خودنوشت سوانح عمری ''مجھے کہنا ہے کچھ اپنا زبان میں'' (صفحہ ۱۷ تا ۱۸) میں لکھا ہے کہ کشمیر آنے سے قبل چھ مہینے پہلے ان کے ایک دوست خان بہادر محمد کفایت اللہ خان (جو کہ اُس وقت اسٹنٹ ریزیڈینٹ گوا میں تھے) ان سے ملنے کے لیے علی گڑھ آئے۔ موصوف علم نجوم سے واقف تھے اور دورانِ گفتگو انہوں نے سر سیدین کا ہاتھ دیکھ کر انہیں کہا کہ وہ چھ ماہ کے اندر اندر علی گڑھ کو چھوڑ کر کسی دوسری بڑی جگہ چلے جائیں گے۔ سیدین ان باتوں پر نہ کوئی یقین رکھتے تھے اور نہ وہ علی گڑھ چھوڑنا چاہتے تھے۔ لیکن پھر نتیجہ سامنے ہے۔ کشمیر میں ناظم تعلیمات کا عہدہ قبول کر لینے کے بعد یہ خبر اخباروں میں آ گئی، تو کفایت اللہ نے انہیں مبارکبادی کا تار بھیجا۔

اس وقت کشمیر کی مجموعی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایک طرف شیخ محمد عبداللہ کی سیاست گرما گرم تھی دوسری طرف تعلیمی پسماندگی اپنے عروج پر تھی۔ تعلیم محض کشمیری پنڈتوں تک محدود تھی۔ مسلمانوں میں سید گھرانوں میں اسلامی تعلیم تھی، تو ان میں سے کچھ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پرائمری اسکول ٹیچر یا پٹواری بنایا جاتا تھا۔ البتہ شہر اور قصبوں میں کچھ مدرسے اور اسکول تھے۔ سرینگر اور جموں میں کچھ ہی کالجز تھے اور یونیورسٹی کوئی نہ تھی۔ زیادہ تر اُستاد مکتبی تعلیم یافتہ تھے اور معیار نام کی کوئی چیز یہاں تعلیم کے میدان میں نہ تھی۔ اس لیے ٹیچروں کی تنخواہ بھی قلیل تھی، عمارتیں خستہ اور اسکول کرایہ کے مکانوں یا کٹھاروں پر تھے۔

ان حالات میں بنیادی تعلیم کے فروغ کی سخت ضرورت تھی، جس کے لیے سیدین کو یہاں لایا گیا۔ اس لیے انہوں حالات کا جائزہ لے کر سب سے پہلے ایک کمیٹی تشکیل، جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین، سید تجمل حسین اور ٹنڈل بسکو جیسی شخصیات شامل تھیں۔ انہوں نے صرف ایک ماہ میں رپورٹ تیار کر لی اور سیدین نے فوراً حکومت سے اسکی منظوری حاصل کر لی۔

چوں کہ کشمیر جیسے سنگلاخ علاقے میں اس وقت کام کرنا بہت ہی دشوار تھا کیونکہ نہ سڑکیں، نہ ہوائی سروس اور موسم کی بے اعتباری؟

البتہ علی گڑھ کے چند فارغ التحصیل کشمیریوں نے سیدین کے تعلیمی پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے میں کافی حد تک مدد کی۔ ان فارغ التحصیل کشمیریوں میں چند ایک ان کے شاگرد بھی رہ چکے ہیں۔ اسی دوران سرینگر میں ایک ٹریننگ کالج کا بھی قیام عمل میں لا یا گیا یہاں بھی ان کا ارتکاز زیادہ تر بنیادی تعلیم پر رہا۔ اسی کے ساتھ یہاں کئی اسکول کھولے گئے۔ جہاں نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف دستکاریوں کا ہنر بھی سکھایا جاتا تھا۔ چونکہ کشمیر میں سردیوں کے پیش نظر اکتوبر نومبر میں سالانہ امتحانات کل تک لیے جاتے تھے اس کے بعد ڈسمبر سے لے کر تقریباً فروری کے آخر تک تعطیل رہتی تھی۔ سیدین نے ایک اسکیم یہ بھی بنائی کہ ان دنوں طلبہ کو کچھ دستکاری کا کام بھی سکھایا اور کروایا جائے۔ جس کے بارے میں آگے بات کی جائے گی۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کل تک تعلیمی اداروں میں بچوں کو جسمانی سزا دی جاتی تھی مگر آج کچھ کمی یا فرق محسوس ہو رہا ہے لیکن سیدین نے اُس وقت طالب علموں کو جسمانی سزا دینے پر پابندی عاید کی تھی۔ اساتذہ کی تنخواہ میں بھی کافی اضافہ کروایا۔ خواجہ غلام السیدین نے تعلیم کے تمام تر اعلیٰ افسروں کو ہدایات دی تھیں کہ وہ کسی بھی اُستاد کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی نہ کریں اور اساتذہ اور افسران کے درمیان خلیج کو بھی دُور کرنے کی کافی کوشش کی۔

سیدین کے زمانے میں ہی پہلی بار یہاں غیر مسلموں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے بھی سرکاری دفتروں خاص کر محکمہ تعلیم میں جگہ پالی کیونکہ اب اجارہ داری ختم ہو چکی تھی اور قابلیت کی بنیاد پر ملازمت ملنے لگی لیکن یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ سیدین کی اس نیک

نیتی سے دونوں فریقین نالاں تھے، کیونکہ ہماری بدقسمتی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ ہم اصل بات کو سمجھے بغیر ہی یا تو نتائج اخذ کرتے ہیں یا پھر جذبات کی رو میں بہہ کر ہی اپنے لیے فیصلے صادر کئے۔ کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں ہندوں (پنڈتوں) اور مسلمانوں دونوں فرقوں نے سیدین کی خوب مخالفت کی۔ پنڈتوں کا الزام تھا کہ کشمیر میں مسلمان ڈائریکٹر صرف مسلمانوں کی مدد کرتا ہے چونکہ ان کی ترجمانی اخبار ''مارٹنڈ'' کرتا تھا، اس لیے اس میں سیدین کے خلاف مضامین چھپنے لگے۔ دوسری طرف مسلمانوں میں ملا طبقہ چاہتا تھا کہ تعلیم ہماری وراثت ہے اور عام مسلمانوں کو تعلیم پڑھنے سے کیا غرض ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی جہالت کو دُور کریں گے، تو پھر ہمیں آرام سے رزق کہاں سے ملے گی۔ انہوں نے یہ بات پھیلا دی کہ سیدین یہاں ہندو حکومت کی خوشنودی کرتا ہے۔ اور انگریزی وغیرہ پڑھا کر نہ جانے مسلمانوں کو کیا بنا پائے گا۔!

سیدین نے یہاں کی تعلیمی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے تعلیم بالغان کی اسکیم چلائی، بدقسمتی سے یہاں بھی عوامی حلقوں میں شوشے پھیلائے گئے کہ حکومت کی طرف سے کشمیریوں کے خلاف یہ ایک گہری سیاسی سازش ہے۔ لیکن سیدین نے ہمت سے کام لیا اور وہ اس سلسلے میں اُس وقت کے عوامی لیڈر شیخ محمد عبداللہ سے ملے اور انہیں لوگوں کو اس اسکیم کی مخالفت سے باز رکھنے کے لیے کہا۔ اس کے بعد یہاں تعلیم بالغان کے بہت سارے مراکز قائم کیے گئے۔

سیدین کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں رکھتے تھے، پھر بھی ہر طرح کے لوگوں سے کھل کر ملتے تھے۔ ان کا ایک ہی مقصد تھا تعلیم کو فروغ دینا۔ وہ یہاں کے مقامی لیڈروں اور دوسرے شعبوں کے افسران سے ملتے تھے۔ اس کے علاوہ 1943ء میں جب پنڈت جواہر لال نہرو سرینگر تشریف لے آئے، تو سیدین نے انہیں یہاں اپنے قیام گاہ پر مدعو کر کے بہت سارے تعلیمی معاملات پر ان کے ساتھ گفت شنید کی۔ سیاسی کشیدگی کے پیش نظر بہت سارے لوگوں نے اس پارٹی میں شرکت نہ کر لی!

سیدین کشمیر میں 1938ء سے 1945ء تک رہے، حالانکہ پہلے حکومت جموں و کشمیر نے علی گڑھ سے ان کا ڈیپوٹیشن دو سال کے لیے مانگا تھا، لیکن ان کی لگن، ایمانداری اور

یہاں کے تعلیمی ماحول میں بہتری ہونے کے پیش نظر اس میں مزید پانچ برسوں کا توسیع کرو ایا گیا۔ اس مدت کے دوران یہاں کافی سیاسی اتھل پتھل ہوئی اور انتظامیہ میں بھی بہت ساری تبدیلیاں ہوئیں، لیکن ہر کسی کے ساتھ سیدین کے تعلقات بڑے خوشگوار رہے۔

1945ء میں اس وقت کے وزیر اعظم بی این راؤ نے انہیں مزید تین سال کے لیے یہاں رکھنا چاہا مگر پنڈت رام چندر کاک کی نیت میں سیدین نے کچھ شبہ پایا اسلیے وہ کشمیر سے رخصت ہوئے اور جموں میں ان کے لیے ایک شاندار پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔

کشمیر سے جانے کے بعد وہ ریاست رامپور کے ایجوکیشنل ایڈوائزر مقرر ہوئے، پھر حکومت بمبئی میں مشیر تعلیم رہے۔ 1950ء میں مرکزی وزارتِ تعلیمات میں جوائنٹ سکریٹری ہوئے۔ بہت سارے بیرونی ممالک کے دورے کئے اور 1957ء میں سکریٹری وزارت تعلیمات مقرر ہوئے۔ 1961ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوتے ہی جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ بخشی غلام محمد نے انہیں کشمیر کا مشیر تعلیم مقرر کیا۔ چونکہ ان دونوں یہاں کافی سیاسی رشہ کشی تھی اور ہر معاملے میں سرکار کی غیر ضروری مداخلت رہتی تھی، اس لیے سیدین یہاں ایک سال سے زیادہ عرصے تک نہیں رُک سکے یہاں میں یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ خواجہ السیدین کو میرے آبائی علاقے سے خاصا لگاؤ تھا، اس لیے انھوں نے بڈگام میں اس وقت ایک ماڈل کالج قائم کرانا چاہا، مگر وقت کے ملاؤں نے ان کی اس نیک کوشش پر پانی پھیر دیا۔

یہاں سے چلے جانے کے بعد سیدین وسکانس، اسٹین فورڈ جیسی یونیورسٹیوں کے وزیٹنگ پروفیسر رہے۔ اس کے بعد ہندوستان میں کئی تعلیمی کمشنوں میں خدمات انجام دیئے۔ آخر کار 19 ڈسمبر 1971ء کو 67 سال کی عمر میں دلی میں وفات پائی۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ خواجہ غلام سیدین نے کشمیر کے تعلیمی میدان میں کیا کیا خدمات انجام دے دیئے:

بنیادی تعلیم اسکیم میں سیدین کا ایک اہم حصّہ رہا ہے، جس کی جانکاری تاریخ تعلیم ہند میں بھی ان لفظوں میں بھی دے دی گئی:

''ہری پورہ کانگریس نے اس اسکیم کو اپنی نیک خواہشات سے سرفراز کیا؛ اور اس کے

بعد ہی یہ کانگریس کے زیر اقتدار متعدد صوبوں میں اور کشمیر کی ریاست میں اختیار کر لی گئی، جہاں اسکیم کے پرجوش حامی جناب خواجہ غلام السیدین صاحب ڈائریکٹر آف ایجوکیشن تھے۔ (ص 434)! بنیادی تعلیم اسکیم دراصل انڈین نیشنل کانگریس کا ایک اہم تجربہ تھا، جو انہوں نے ہندوستان کی ان ریاستوں پر کیا جو ان کے زیر اقتدار یا زیر اثر تھیں۔ اگرچہ جموں وکشمیر میں اس وقت ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ کی حکمرانی تھی پھر بھی اس وقت کے وزیر اعظم سر گوپالا سوامی آئنگر نے اس اسکم کا فائدہ اُٹھانا چاہا اور وہ سیدین کو یہاں لانے میں کامیاب ہوئے۔ کیونکہ اس وقت یہاں کی تعلیمی صورتحال کیا تھی سیدین کی زبانی سُنیے:

''سوائے کشمیری پنڈتوں کے جن میں تعلیم خاصی عام تھی دوسرے تمام طبقے تعلیم سے بے بہرہ تھے۔ چند بڑے شہروں اور قصبوں میں کچھ ابتدائی اور ثانوی مدرسے تھے، لیکن گاؤں بیشتر اس نعمت سے (اگر اس کو نعمت کہا جائے) محروم تھے۔ کالج اس وقت تک صرف جموں اور سرینگر میں تھے۔ اس سے بھی زیادہ تکلف دہ بات یہ تھی کہ جو اسکول تھے ان میں سے بیشتر میں تعلیم برائے نام ہوتی تھی۔ استادوں کا تعلیمی معیار بہت کم تھا۔ بعض مڈل پاس بھی نہ تھے، ٹریننگ بہت محدود اور ناقابل اطمینان، تنخواہیں برائے نام۔ مثلاً سات روپے، نو روپے، تیرہ روپے والے بہت سے استاد ابتدائی مدارس میں کام کرتے تھے اور بالعموم جتنی تنخواہ پاتے تھے، اتنا ہی کام کرتے تھے! عمارتیں اکثر اتنی خراب تھیں کہ ان میں بچوں کی صحت اور نگاہ کے خراب ہونے کا نہ صرف اندیشہ تھا بلکہ یقین، بعض عمارتیں جو کسی اور محکم کے کام کی نہ ہوتی تھیں ان میں مرحمتِ خروانہ سے اسکول قائم کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض جگہ مہاراجہ کے پُرانے اصطبلوں تک کو (جب وہ شکستہ و بیکار ہو گئے تھے) اس مقصد کے لیے استعمال کیا گیا تھا''۔ (مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں صفحہ ۲۲۲)

اس صورتحال میں کسی بھی ماہر تعلیم کا یہاں کام کرنا قدرے دشوار تھا، لیکن سیّدین نے مشکل کو اپنے تدبر سے آسان بنا دیا۔

کشمیر کے تئیں ان کی تعلیمی خدمات کے لیے ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے، بشرطیکہ اس ضمن میں ایک وسیع پروجکٹ کو ہاتھ میں لیا جائے۔ فی الحال ہماری کوشش یہ رہے گی کہ یہاں ان کے چند یادگار کارناموں کا یہاں کچھ تعارف ہو۔ جس میں Saiyidian

Committe ایک تاریخ ساز کمیٹی تھی۔
مجلس برائے تصدیق تعلیم۔

Education Recorganization Committe

یا سیدین کمیٹی رپورٹ 39-1938
چیرمین۔خواجہ غلام السیّدین

ارکان:۔

۱۔ڈاکٹر ذاکر حسین
۲۔ریوائرک ٹنڈل بسکو۔
۳۔قاضی محمد اسحاق۔
۴۔آر سی۔مہدا تراتا۔
۵۔ایم ایل کترو (ممبر سکریٹری)
مقام:۔جموں/سرینگر۔
وقت: جون 1938ء تا ستمبر 1939ء

اغراض و مقاصد:

یہاں ایک ساتھ متعدد رمسائل پر بات کی گئی جیسے تعلیم کے درپیش مشکلات کو کیسے دُور کیا جائے اور تعلیم کو کیسے فروغ دے دیا جائے۔ جو وسائل ہمارے پاس موجود ہیں انہیں کیسے بروئے کار لایا جائے، خاصکر یہاں پرائمری اور سکنڈری سطح کے نظام کی تشکیل نو اور اس کو کیسے اُور ہال کیا جائے۔

اہم سفارشات:

۱۔ چونکہ 1930ء میں لازمی تعلیم اسکیم قائم کی گئی تھی جسکے اچھے نتائج سرینگر شہر میں برآمد ہوئے تھے۔ اسطرح شہر میں بہت سارے اسکول قائم بھی کئے گئے تھے۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ یہاں ایک ایسا ماڈل اسکول قائم کیا جائے حسب ضرورت ا

سٹاف اور تمام سہولیات دستیاب ہوں۔ جو کہ اس اسکیم کو لاگو کرنے کے لیے ماڈل بھی بن جائے گا۔ اس کے علاوہ جموں و کشمیر میں جہاں بھی 500 نفوس کی آبادی ہے، وہاں لازمی طور پر ایک اسکول ہونا چاہیے۔ اس کے لیے دُور دراز علاقوں جیسے مظفر آباد، کٹھوہ، ریاسی، بمبر وغیرہ کی نشاندہی بھی کی گئی۔

۲۔ اس بات پر بھی زور دے دیا گیا کہ استاد کی شخصیت میں انسانیت اور پیشہ ورانہ صلاحیت پیدا کی جائے۔

۳۔ کمیٹی نے اس بات کی بھی سفارش کی کہ سرکار اپنے قوانین میں لچک پیدا کر کے پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی مالی معاونت بھی کرے گی۔

۴۔ ایک اہم سفارش (جو کہ آج بھی کی جارہی ہے) یہ بھی کی گئی کہ اسکنڈری اسکولوں میں مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے ہنرمندوں، کاری گروں، ماہرین، تجارت پیشہ افراد، طب سے منسلک افراد، زرعی ماہرین لا کر انہیں ہے طلبہ کو مختلف کام سکھانے کے لیے وقتی طور پر مامور کیا جائے۔ یعنی اکیڈمک سائڈ الگ اور ویکشنل سائڈ الگ، مگر دونوں کو ایک ساتھ ملا کر کام کرنا ہوگا۔

۵۔ تعلیم میں ایک ایسی اسکیم ہو، جہاں ایک ساتھ کرافٹ ٹیچنگ ہو اور بک ٹیچنگ بھی ہو۔

۶۔ سرکار کو کم از کم ہر سال 100 اسکولی عمارتیں اور کرافٹ کے لیے الگ عمارتیں تعمیر کروانی ہوگی۔

۷۔ جموں اور سرینگر میں دو الگ الگ ٹیچر ٹریننگ کالجز قائم کئے گئے، جہاں ڈگریوں کے ساتھ ساتھ شارٹ تربیتی پروگرام بھی کروائے جاتے ہیں۔

۸۔ تعلیم بالغان Adult Education کے ساتھ ساتھ مختلف گاؤں میں کتب خانے بھی قائم کے گئے۔

۹۔ لڑکیوں کی تعلیم کو بھی فوکس کیا گیا، جہاں ہر سال ان کے لیے الگ اسکول کھولنے اور انہیں وظیفے دینے کی بھی سفارش کی گئی، دو لیڈی انسپکٹر بنائے گئے۔ ان کے لیے کتب خانے اور پانچویں کلاس تک بچیوں کے لیے مفت کتابیں تقسیم کی گئیں۔ استانیوں کے

رہنے کے لیے کمرے اوران کی الگ تربیت کا بھی انتظام کیا گیا۔

سیّدین کمیٹی پرڈوگرہ دور میں خاطر خواہ عمل ہوا۔اور اُسی کے ساتھ سیدین سے وابستہ ''محنت کا ہفتہ'' بھی ایک نا قابل فراموش کام ہے۔جس کے بارے میں بھی اب یہاں کچھ روشنی ڈالی جائے گی۔

اسکارٹ لارنس سے لے کر پرویز دیوان تک بہت سارے اعلیٰ افسران ماہرین اور دانشور باہر سے یہاں اہم سرکاری کاموں کے لیے لائے گئے،ان میں بہت سارے افراد نے قابل داد کام کر کے انمٹ نقوش یہاں چھوڑ دیئے۔کشمیر سے متعلق کئی لوگوں کی تصانیف آج بھی بنیادی سورس اور حوالے کا درجہ رکھتی ہیں۔کچھ ایسے بھی لوگ (خاص کر 1947ء کے بعد) یہاں آ گئے،جنھوں نے مغلوں کی طرح کشمیر کو صرف سیر وتفریح کی جگہ سمجھ کر صرف یہاں اپنے چہرے میں لالی پیدا کی۔لیکن خواجہ السیدین کا مقام اُن تمام لوگوں میں منفرد ہے،انھوں نے تعلیم کے میدان ایسی قندیل روشن کی،جس کی روشنی آج بھی جاری ہے۔یوں تو انھوں نے یہاں آ کر کوئی اہم کتاب نہیں لکھی،حالانکہ وہ صاحب قلم تھے، بلکہ اپنے شعبئے میں عملی طور پر ایسے کارہائے نمایاں انجام دے دیئے، جو آج بھی دوسروں کے لیے قابل رشک اور قابل تقلید ہیں۔کمیٹی سے متعلق صرف چودہ صفحات پر مشتمل ان کا ایک رپورٹ ہی سو کتابوں پر بھاری ہے۔

دراصل خواجہ غلام سیدین نے ایک نیا تجربہ یہاں یہ بھی کیا ہے کہ جسے ''محنت کا ہفتہ'' نام دے دیا گیا۔اس پروگرام کے تحت یہاں کے اسکولوں کے بچے بشمول اساتذہ گرمیوں کی تعطیلات کے دوران اسکول کے قرب وجوار کی آبادی کی صفائی وستھرائی کرتے تھے۔یا مقامی باشندوں کو صفائی کی جانکاری دے دیتے تھے۔شروع شروع میں ان باتوں کی سخت مخالفت کی گئی،لیکن آگے اس کے بہت ہی مفید نتائج سامنے آ گئے۔ایک تو اسکول اور مقامی سماج میں بہتر رشتے پیدا ہو گئے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سیدین نے اس کام کی ایک رپورٹ تیار کروا کر یونیسکو کے ایک رسالے کو بھیج دیا،جہاں اسے شائع کیا گیا اور اسطرح پہلی بار کشمیر کے تعلیمی مسئلے کو بین الاقوامی سطح پر لایا گیا۔

خواجہ غلام السیّدین نے ''محنت ہفتہ'' پروگرام جو کہ ہر سال 12 جون تا 19 جون منایا

جاتا تھا کے تحت جوا یک کامیاب تجربہ کشمیر میں کیا اوراس کا رپورٹ یا خاکہ بھی تیار کیا جو کئی جگہوں پر شائع کیا گیا اوران کی ایک کتاب ''تعلیمی تشکیل نو کے مسائل'' میں ضمیمہ کے طور پر بھی صفحہ 293 تا306 شامل کیا گیا ہے، چونکہ اس کتاب کے اُردو مترجم ایم ابوبکر ہے اسلیے ظاہر سی بات ہے کہ اصل میں یہ انگریزی میں لکھا گیا ہوگا، جسکو بعد میں عالمی سطح پر سراہا گیا ۔اسی مینی فیسٹو کا ''عنوان کتاب میں سماجی تربیت کا ایک تجربہ۔ کشمیر کے اسکولوں کا'' ہفتہ محنت'' دے دیا گیا، جس کو آگے مختلف ذیلی سرخیوں میں بیان کیا گیا۔

میں نے بچپن میں بھی کچھ پیشہ ورانہ اساتذہ کو اسکولوں میں کچھ اہم activities کراتے ہوئے دیکھا یا مختلف ماہرین تعلیم کے لیکچرس سُنے یا آج کل بھی ہمارے تعلیمی اداروں میں مختلفactivities بڑے بڑے پروگراموں کے تحت کئے جاتے ہیں، جیسے NSS یاNCC یا کوئی اہم دِن یا اہم ہفتہ منایا جاتا ہے یا آجکل ویکشنل ایجوکیشن، Skill Course وغیرہ وغیرہ کی بات کی جاتی ہے۔ وہ سارا خواجہ غلام السیدین نے اپنے اسی تحریری نوٹ میں بیان کیا ہے اور انھوں نے حسب موقع ان تمام چیزوں کو یہاں عملانے کی بھی کوشش اپنے زمانے میں کرلی تھی۔ بڑے فخر کی بات یہ ہے کہ آج چوراسی برس گزر جانے کے بعد بھی ان کے خیالات تروتازہ ہیں اور یہ اچھے تعلیمی اداروں میں مختلف صورتوں میں اپنائے اور عملائے جاتے ہیں۔ مذکورہ پورٹ کے تعارف میں ایک اہم بات یہ بتائی گئی ہے:

''میرا یقین ہے کہ یہی وہ تصّور ہے جو

International voluntar service for peace

جیسی بہترین تنظیم کے طرزِ عمل میں جاری وساری ہے کہ ہم ہرگز یہ مشورہ نہیں دیتے کہ جو پروگرام ہم نے چلایا ہے، اس کی تمام اسکولوں میں من وعن پیروی کیجائے۔ اس لیے کہ ایک ملک کے حالات دوسرے سے کہیں مختلف ہوتے ہیں''۔(ص294)

یعنی ہم آج یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تعلیم کے فارمولاز کو مختلف علاقوں، خطوں، ریاستوں یا مما لک میں الگ الگ طریقے سے اپنانا چاہیے۔ موصوف اپنے'' تجربے کا پس منظر'' بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیام کشمیر کے دوران انھوں نے اپنے تعلیمی تنظیم کا

نشانہ محض نصاب، طریق تعلیم یا تعلیمی تکنیک پر مرکوز نہیں رکھا، بلکہ طلبہ کے اندر ایک شدید اجتماعی اور اخلاقی نظامِ فکر کو نشو ونما بھی دے دیا۔

اسی لیے سالانہ ''ہفتہ محنت'' منانے کے سلسلے میں طلبہ کو مختلف عوامی خدمات کے ساتھ ساتھ دستکاریوں کو بھی سکھایا جاتا تھا۔ حالانکہ اس کے بارے میں ''عوام کا ردعمل'' بھی آ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ''ہم نے کام کیونکر شروع کیا'' میں ان تمام باتوں کی پوری وضاحت کی اور ''کام کا پروگرام'' بھی مرتب کر ڈالا۔ جس میں عوامی حلقوں کے ساتھ ساتھ بہت سارے سرکاری محکموں کو بھی انوالو کیا گیا۔ ان کی انتھک کوششوں کے مثبت نتائج سامنے آنے لگے تو انھوں نے ''کارگزاریاں'' کے تحت ان تمام چیزوں کی نشاندہی کی، جنکی رپورٹ انہیں پہلے ہی سال موصول ہوئی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ ناظم تعلیمات ''اکتساب کے تخمینے'' کے تحت محکمہ تعلیم سے وابستہ تمام افراد پر خود کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کے نام اہم پیغامات، ہدایات اور احکامات بھی بھیجتے رہے۔

سیدین نے ہی کشمیر میں ''تعلیم بالغان'' اسکیم چلا کر یہاں ہزاروں مراکز قائم کر لیے۔ بڑی خوش آئندہ بات یہ ہے کہ کشمیر میں ''تعلیم بالغان'' کا سلسلہ تقریباً بیسویں صدی کے آخر تک اپنی خدمات انجام دیتا رہا۔

کشمیر میں اپنے قیام کے دوران غلام السیدین نے کوئی تصنیفی یا تحقیقی کام نہیں کیا، بلکہ وہ کتابی دنیا سے کٹ کر رہے اور عملی دنیا سے کچھ زیادہ ہی منسلک رہے۔ جس کے لیے انہیں کشمیر کی تعلیمی تاریخ میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

سیدین 1961ء میں حکومت ہند کی وزارت تعلیمات سے الگ ہوئے تو انہیں جموں وکشمیر کی حکومت نے دوبارہ یہاں بلا لیا، لیکن اب کشمیر کی صورتحال بدل چکی تھی۔ اس لیے 1962ء میں ہی وہ یہاں سے واپس چلے گئے۔ اور دنیا کی بہت بڑی یونیورسٹیوں میں وزیٹنگ پروفیسر ہوئے۔

صالحہ عابد حسین ان کی انگریزی تصانیف کی تعداد اُنتیس اور اُردو کتابوں کی تعداد نو ۹ بناتی ہیں۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ ان کی تصانیف آندھی میں چراغ، تعلیمی تشکیل نو کے مسائل، اصول تعلیم آج بھی چھپتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں۔ اصول تعلیم مرکزی وزارت

تعلیمات میں سکریٹری رہنے کے بعد جموں اینڈ کشمیر یونیورسٹی نے انہیں توسیعی خطبہ دینے کے سلسلے میں مدعو کیا اور انھوں نے اس موقع پر Education of the National Character کے عنوان سے یہاں اپنا لیکچر پیش کیا۔ پروفیسر جے ایل کول نے بھی سیدین کی انصاف پسندی، غیر جانبدارانہ پالیسی ،ان کی شخصیت اور یہاں ان کے کنٹر بیوشن کو کافی سراہا۔

پروفیسر مسعود حسین نے ان کی شخصیت کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے:''خواجہ غلام السیدین صاحب جیسی نادرِ زمانہ شخصیتوں کی دریافت یک لخت نہیں ہو جاتی۔ان کو بار بار اور طرح طرح سے ڈھونڈنے اور پانے کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں''۔

ڈاکٹر صغرا مہدی نے''سخنِ دل نواز'' کے عنوان سے خواجہ غلام السّدین کے مکاتیب کا ایک مجموعہ سیّدین میموریل ٹرسٹ جامعہ نگر نئی دہلی سے ۱۹۸۲ء میں شائع کروایا۔ 13x19 سائز اور 348 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ان کے اکیس خانہ افراد کو ارسال کئے گئے کئی خطوط شامل ہیں،جنہیں انھوں نے ملک اور بیرون ملک کی کئی جگہوں سے لکھا، جہاں وہ اپنی ملازمت کے سلسلے میں تعینات تھے۔ یہاں تک کچھ خطوط ہوائی جہاز اور ریل گاڑی میں بھی لکھے گئے۔ان خطوط میں زیادہ تر خانگی معاملات ہی بیان کئے گئے۔البتہ ان خطوط سے سیّدین کیبیات کرنے کا ڈھنگ اور مختلف جگہوں کے ماحول کا جگہ جگہ ہمیں پتہ چلتا ہے۔اب جہاں ہم ان خطوط میں کشمیر کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے، یہاں دو صورتوں میں کشمیر کا ذکر ہوا ہے۔ایک وہ خطوط جو مختلف اوقات میں کشمیر کے قیام کے دوران انھوں نے لکھے،اس کے علاوہ بھی مختلف خطوط میں خواجہ غلام السیّدین نے کشمیر اور کشمیریوں کا ذکر کسی نہ کسی طریقے سے چھیڑا ہے۔

28-09-1961 کو انھوں نے ایک خط بیگم صالحہ عابد حسین کے نام کشمیر سے لکھا۔ جس میں بخشی صاحب کا نام لے کر یہ بھی کہا گیا ہے کہ''یہاں کے حالات ابھی تک گائے کے سینگ پر ہیں''(ص69) سید عابد حسین کو 18-10-1960 کی تاریخ کو سری نگر سے خط لکھا، جس میں کشمیر میں''تعلیم بالغان کی تحریک'' کے شروع ہونے اور نئے ٹریننگ اسکول کے افتتاح کی بات کی گئی۔ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ تعلیم بالغان کے سلسلے میں

بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے ہیں اور پبلک جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں، جن میں سیّدین بھی شریک ہوتے تھے اور ایک جلسے میں پانچ ہزار لوگ شامل ہوئے۔ سری نگر سے ہی انھوں نے 8-9-1961 اور 16-10-1961 کو دو خطوط لکھے انہوں نے اپنی بہن، بہنوئی کو لکھے، جس میں خواجہ غلام محمد صادق کی بات کے ساتھ ساتھ کشمیر کے تعلیمی پروجکٹ کو یونسکو کے اشتراک کی بات کی گئی۔ 16-11-1961 جموں سے جو خط انھوں نے لکھا، جہاں وہ کھٹوعہ کالج کا معائنہ کرنے کے لیے گئے تھے۔اس کے بعد بھدروا چلے جاتے ہیں، جہاں کی سردی کی شدت کا حال عابد صاحب سے بیان کرتے ہیں اور انہیں کشمیر یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے ممبر بنانے کی بات بھی کہی۔14-06-1969 کو انھوں نے ایڈمنٹن سے اپنی بہن اور بہنوئی کو خط لکھ کر وہاں کے ماحول سے آگاہ کیا۔ چونکہ عابد صاحب شاید ان دنوں کشمیر آتے رہتے تھے، اسلیے خط میں کشمیر سے کچھ احباب کو بھی یاد کیا گیا۔

29-7-1971 کو سیّدین نے کشمیر سے ایک اور خط لکھا، جس سے لگتا ہے کہ اس وقت وہ اپنی فیملی کے ساتھ یہاں تھے اور وہ اپنی بچیوں کو گلمرگ بھیج رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں ملازموں کا جی بھر کے تعریفیں کرتے ہیں۔ 25-06-1956 کے خط میں وہ سوندھی صاحب کے کیمپ میں پہگام جانے کی بات ہے۔

18-11-1961 کو انھوں نے جموں سے دو خطوط اپنی بیگم کے نام لکھے۔ جس میں وہ جموں ریڈیو اسٹیشن میں ٹاک ریکارڈ کرنے کی بات کرتے ہیں۔ 16-06-1961 کو وہ سرینگر سے بلقیس سیدین کو خط لکھ کر کچھ خانگی کے معاملات کے بارے میں پوچھ رہیں ہیں۔

چونکہ خواجہ غلام السیدین یہاں ایک تعلیمی مشن پر تھے۔ اس لیے انہیں یہاں سیر سپاٹے کا کوئی خاص موقع نہیں مل سکا اور نہ وہ اس مزاج کے آدمی تھے کہ اپنے مشن کو چھوڑ کر وہ یہاں کی زندگی کے دوسرے معاملات میں غیر ضروری طور پر دخل اندازی کرتے۔ جیسا کہ باہر سے آئے ہوئے بیشتر افسران نے یہاں کیا۔ ان خطوط میں حالانکہ کشمیر سے متعلق بہت کم معلومات موجود ہیں، پھر بھی یہ چند خطوط یا یہ پورا مجموعہ کسی ادبی شاہکار سے کم نہیں

ہے؟سخن دل نواز خواجہ غلام السیّدین مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی 1982۔
خواجہ غلام السیّدین ریاض احمد ساہتہ اکادمی نئی دہلی 2017ء چونکہ یہ مونوگراف ڈاکٹر سیّد فرحت حسین کی کتاب کا زیادہ تر چربہ ہی ہے، اس لیے اس پر ایک نظر مار کر اس سے کوئی حوالہ نہیں لے لیا گیا۔

○○○

کتابیات

۱۔خواجہ غلام السیّدین حیات اور کارنامے۔سیّد فرحت حسین ناشر E/2 ڈی ڈی اے فلیٹ ترکمان گیٹ دہلی ۱۹۸۳ء۔
۲۔مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں خواجہ غلام السیّدین، سیدین میموریل ٹرسٹ نئی دہلی۔
۳۔تاریخ تعلیم ہند، سیّد نوراللہ اور جے پی نائک مترجم، مسعود الحق، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان نئی دہلی 1999ء۔
۴۔تعلیمی تشکیل نو کے مسائل، خواجہ غلام السیدین قومی کونسل برائے فروغ زبان اُردو نئی دہلی 2013ء۔
۵۔ Education in Jammu and Kashmir, G.Rasool Minakshi Chopra Jay Kay Book House, Jammu Tawi-1998.
۶۔ Jammu & Kashmir, Dr. M.S. Ansari, Ramesh Publishing House, New Delhi 2019.

❑❑❑